محمد رضی الاسلام ندوی

مولانا فراہیؒ کی تفسیر سورۃ الفیل

ایک جائزہ

(بشکریہ ماہنامہ ' حیاتِ نو' بھارت)

مولانا حمید الدین فراہیؒ عہد حاضر کے ان ممتاز علماء میں سے ہیں جنھوں نے قرآن اور علوم قرآن پر عظیم الشان کام انجام دیا ہے اور تدبر قرآن کا نیا راستہ نکالا ہے۔ علوم قرآنی سے متعلق ان کے مختلف رسالے اور تفسیر نظام القرآن کے مختلف اجزاء شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکے ہیں۔ اس امتیازی خصوصیت کے باوجود ان کی تحریروں میں بعض خیالات ایسے ملتے ہیں جو قرآن کے طالب علم کو کھٹکتے ہیں، اس لئے کہ ان خیالات کے سلسلہ میں وہ امت مسلمہ کی پوری تاریخ میں منفرد ہیں۔ انھیں میں ایک وہ رائے بھی ہے جس کا اظہار انھوں نے تفسیر سورۂ فیل میں کیا ہے، وہ یہ کہ لشکرِ ابرہہ کا مقابلہ اہل مکہ نے کیا تھا اور پرندے ان پر سنگ باری کرنے نہیں بلکہ ان کی لاشوں کو کھانے کے لئے آئے تھے۔ اگرچہ ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی اپنی تفسیر تدبر قرآن[1] میں بعینہٖ یہی خیالات اختصار کے ساتھ بیان کئے ہیں لیکن علماء و مفسرین کے درمیان اس نظریہ کو مقبولیت حاصل نہیں ہو سکی چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی نے ارض القرآن[2] میں اصحاب الفیل پر بحث کرتے ہوئے مشہور عام روایت ذکر کرنے کے بعد اس نظریہ کا سرسری تذکرہ کر دیا ہے۔ مولانا حفظ الرحمان[3] سیوہاروی اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی[4] نے اس پر متعدد اعتراضات کئے ہیں اور دلائل کے ساتھ اس کی غلطی واضح کی ہے۔ مولانا شبیر احمد صاحب ازہر میرٹھی مدرس جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ نے بھی اپنے ایک مضمون تفسیر سورۂ فیل (شائع شدہ ماہنامہ "الرشاد" ماہ اکتوبر، نومبر ۱۹۸۵ء) میں جو ان کی زیر تالیف تفسیر مفتاح القرآن کا حصہ ہے اس پر اعتراضات کئے ہیں۔ خیال تھا کہ ان بحثوں کے نتیجے میں مذکورہ رائے کی غلطی واضح ہو گئی ہے لیکن سہ ماہی "تحقیقات اسلامی" علی گڑھ کے شمارہ اپریل تا جون ۸۷ء میں

[1] تدبر قرآن، ہشتم ص ۵۶۰ ـ ۵۶۶ فاران پاکستان [2] ارض القرآن اول ص ۳۱۵ دار المصنفین اعظم گڈھ، طبع چہارم ۱۹۵۵ء [3] قصص القرآن سوم بحث اصحاب الفیل، ندوۃ المصنفین دہلی [4] تفہیم القرآن ششم تفسیر سورۂ فیل، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

جناب نسیم ظہیر صاحب اصلاحی کا ایک مضمون نظر سے گزرا جس میں مولانا میرٹھی کے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے اور مولانا فراہی کی رائے کی تائید کی گئی ہے۔ ان کا جائزہ جیسا کچھ ہے اس پر بحث مقالہ میں آئیگی لیکن چونکہ ان تمام مناقشات و مباحثات کی بنیاد مولانا فراہی کی تفسیر سورۂ فیل ہے اس لئے ہم براہ راست اسی کا جائزہ لیں گے اور اس کے ساتھ ہی مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اور جناب نسیم ظہیر صاحب اصلاحی کے استدلالات پر بھی گفتگو کریں گے۔

مولانا فراہی کا طریقۂ تفسیر

مولانا فراہی کے نزدیک بنیادی ماخذ صرف قرآن ہے۔ حدیث کو فرع کی حیثیت حاصل ہے اس لئے ان کے نزدیک تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے قرآن میں تدبر کیا جائے اور قرآن کے الفاظ، سیاق وسباق اور نظم سے اس کا مفہوم سمجھا جائے پھر جو مفہوم سمجھ میں آیا ہو اس پر حدیث کو پرکھا جائے۔ اگر حدیث سے بھی وہ مفہوم معلوم ہوتا ہو تو حدیث کو قبول کر لیا جائے ورنہ وہ مفہوم اختیار کر لیا جائے اور حدیث کے معاملہ میں توقف اختیار کیا جائے۔

"شان نزول خود قرآن کے اندر سے اخذ کرنی چاہیئے اور احادیث و روایات کے ذخیرہ میں سے صرف وہ چیزیں لینی چاہئیں جو نظم قرآن کی تائید کریں نہ کہ اس کے تمام نظام کو درہم برہم کریں۔ پھر سب سے زیادہ لائق اہتمام وہ شان نزول ہے جو خود نظم قرآن سے مترشح ہو رہی ہو۔"[۵]

یہی طریقہ انھوں نے تفسیر سورۂ فیل میں بھی اپنایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"مفسرین عموماً قصہ کی تمام تفصیلات روایات سے اخذ کرتے ہیں اور ضعیف وقوی روایات میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ یہ شکل مضر اور عموماً صحیح تاویل تک پہنچنے سے مانع ہوتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ واقعہ کی اصلی شکل روایات سے بالکل الگ کر کے دیکھی جائے اس کے بعد روایات پر نظر ڈالی جائے اور کمزور روایات کو صحیح روایات سے چھانٹ کر الگ کیا جائے۔"[۶]

قرآن میں تدبر ضروری ہے لیکن روایات کو پس پشت ڈال کر صرف عقل کا سہارا لینا اور روایات کو عقلی طور پر سمجھ میں آنے والے مفہوم پر پرکھنا بھی حد اعتدال سے تجاوز ہے۔ ایک تاریخی واقعہ کے سلسلہ میں صحیح روایات کے ساتھ ساتھ ضعیف اور مبالغہ آمیز روایات ہونے کا امکان ہے لیکن اس کی وجہ سے

---

[۵] مولانا فراہی مقدمہ نظام القرآن ص ۲۶ - ۲۷، ترجمہ از مولانا امین احسن اصلاحی طبع اوّل دائرۂ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڈھ۔ [۶] ایضاً تفسیر سورۂ فیل ص ۴۲۔

تمام روایتوں کو بے بنیاد اور خود ساختہ قرار دینا صحیح نہیں۔

مشہور عام روایت پر شبہ

(ا) روایت کی سند کے بارے میں مولانا فراہی نے لکھا ہے:

"جو حالات وواقعات بیان کئے گئے ہیں سب یک قلم بے بنیاد ہیں۔ از روئے سند ان میں سے ایک روایت بھی قابل اعتماد نہیں ہے۔ یہ تمام روایات ابن اسحاق پر ختم ہوتی ہیں اور اہل فن کے نزدیک یہ امر طے شدہ ہے کہ وہ یہود اور غیر ثقہ راویوں سے روایت کرتے ہیں"۔ ؎۷

نسیم اصلاحی صاحب نے بھی ابن حجر کی تہذیب التہذیب سے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں جیسے امام مالکؒ کا قول "محمد بن اسحاق دجال ہے" امام بخاریؒ کا قول "محمد بن اسحٰق ایک ہزار حدیثوں میں منفرد ہے" ابن نمیر کا قول "مجہول لوگوں سے بے بنیاد روایات نقل کرتے ہیں" احمد بن حنبل کا قول "محمد بن اسحاق تدلیس کرتے ہیں" وغیرہ۔ پھر حاشیہ میں لکھا ہے کہ "امام بخاری اور اور دوسرے ائمۂ حدیث انھیں بالکل ناقابلِ اعتماد سمجھتے ہیں"۔ ؎۸

لیکن ان تمام اقوال کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ امام مالکؒ کے قول کا ایک خاص پس منظر ہے۔ مدینہ میں ابن اسحٰق سے بڑھ کر علم الانساب جاننے والا کوئی نہ تھا۔ ابن اسحاق کا خیال تھا کہ امام مالک ذی اصبح کے آزاد کردہ غلاموں میں سے ہیں جب کہ امام مالک اپنے آپ کو حمیر کی شاخ اصبح میں سے سمجھتے تھے اسی وجہ سے دونوں میں منافرت تھی۔ جب امام مالکؒ نے موطا تصنیف کی تو ابن اسحاق نے کہا "ایتونی بہ فانا بیطارہ" (اسے میرے پاس لاؤ، اس کا ناقد تو میں ہوں) یہ بات امام مالک کو معلوم ہوئی تو انھوں نے فرمایا "ھٰذا دجال من الدجاجلۃ۔ یروی عن الیھود" یہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔ یہودیوں سے روایات نقل کرتا ہے)۔

"امام مالک حدیث کی وجہ سے ابن اسحاق پر عیب نہیں لگاتے تھے بلکہ وہ اس لئے ان کا انکار کرتے تھے کہ وہ غزوات نبوی سے متعلق یہودیوں کی ان اولادوں کی روایات نقل کرتے تھے جو مسلمان ہو چکے تھے اور جنھیں خیبر، قریظہ اور نضیر کی جنگوں کے حالات اور اپنے آبا و اجداد کے متعلق اس طرح کے عجیب و غریب

؎۷ ایضاً، ص ۴۵۔ ؎۸ سہ ماہی تحقیقات اسلامی شمارہ اپریل تا جون ۱۹۸۶ء ص ۶۲ ــ ۶۳۔

واقعات یاد تھے۔ ابن اسحاق یہ روایات معلوم کرنے کے لئے ان کا تتبع کرتے تھے اور اس بات کا التزام کرتے تھے کہ وہ قابل اعتماد بھی ہیں۔" [9]

ان پر ایک بڑا اعتراض تدلیس کا بھی ہے لیکن کسی کا مدلّس ہونا اس کی تضعیف کے لئے کافی نہیں ہے۔ زہری بھی تدلیس کرتے تھے اور ان سے پہلے عروہ بھی تدلیس کرتے تھے لیکن کسی نے ان کو مطعون نہیں کیا بلکہ خود امام احمد بن حنبل نے تدلیس کے باوجود عروہ کی روایات قبول کی ہیں دراصل" یہ اسلوب اس فرق سے متعلق ہے جو حدیث اور تاریخ کے درمیان موجود ہے۔ حدیث میں مربوط قصہ مطلوب نہیں ہوتا بلکہ بیان کردہ واقعات کی معرفت کے بارے میں ہر گواہ کی گواہی مطلوب ہوتی ہے۔ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اس کا انحصار تو حدیث پر ہے لیکن اس کی غرض یہ ہے کہ تاریخی حکایت کے متعلق ایک مکمل اور مربوط قصہ کے طور پر خبر بہم پہنچائی جائے بغیر اس کے کہ کلام کو اسانید اور بیانات کے تکرار سے بوجھل کیا جائے۔" [10]

ابن اسحاق کو مطعون کرنے والوں سے کہیں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ان کی توثیق کی ہے شعبہ، سفیان، ثوری، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید، حماد بن زید، حماد بن سلمہ جیسے عظیم محدثین نے ان سے روایت کی ہے۔ [11]

نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ان کی روایات موجود ہیں [12] جس شخص کو متعدد ائمہ حدیث نے ثقہ قرار دیا ہو اور جس کی روایات (صحیح بخاری کے علاوہ) صحاح تک میں موجود ہوں۔ اس کی روایت کو محض چند لوگوں کی تضعیف کی وجہ سے (وہ بھی ایک مخصوص پس منظر میں) ناقابل اعتبار قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

اس سلسلہ میں عصر حاضر کے مشہور محقق علامہ شبلی نعمانی کی رائے ملاحظہ ہو:

"محمد بن اسحاق تابعی ہیں۔ ایک صحابی حضرت انس کو دیکھا تھا علم حدیث میں کمال تھا..... ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے۔ امام مالک ان کے سخت مخالف ہیں لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ان کی روایتیں استناد کے قابل ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان سے روایت نہیں لی لیکن جزء القرأۃ میں ان سے روایت لی ہے۔ تاریخ میں تو اکثر واقعات ان ہی سے لئے ہیں۔

---

[9] نقوش رسول نمبر جلد ۱۱ مقدمہ بر سیرت ابن اسحاق از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۳۸۰۔ [10] ایضاً، ص ۳۸۵۔ [11] ایضاً ص ۲۸۶ بحوالہ جائیلی، الکمال فی معرفۃ الرجال مخطوط برلین۔ [12] مقدمہ بر سیرت ابن ہشام از محققین دار احیاء التراث العربی لبنان ص ۴۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد بن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ ان یہودیوں سے دریافت کر کے داخل کتاب کرتے تھے جو مسلمان ہو گئے تھے اور چونکہ یہ واقعات انھوں نے یہودیوں سے سنے ہوں گے اس لئے ان پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔" [۳۱]

یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ یہ روایت صرف محمد بن اسحاق کے واسطے سے مروی ہے اس لئے کہ روایت کے بعض اجزاء دوسرے راویوں جیسے قتادہ، عبید بن عمر، ابن عباس، سعید بن جبیر وغیرہ سے بھی مروی ہیں اور ان میں چڑیوں کے بصراحت سنگباری کرنے کا بھی تذکرہ ہے۔ پھر یہ کہ اگر ہم یوں ہی ایک دو اقوال کی روشنی میں راویوں کو مطعون اور ناقابل اعتبار قرار دینا شروع کر دیں تو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی جیسے بزرگ فقہاء بھی اس کی زد میں آنے سے نہ بچ سکیں گے۔ اس لئے کہ متعدد لوگوں نے ان پر بھی نقد و طعن کیا ہے۔

عجیب بات تو یہ کہ ایک طرف مولانا فراہی روایت کو محض ابن اسحاق کی وجہ سے ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں دوسری طرف خود اسی روایت میں موجود اشعار پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھتے ہیں جبکہ ابن اسحاق کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ انھیں اشعار گھڑ کر پیش کئے جاتے تھے۔

(ب) مولانا فراہی نے واقعۂ فیل کے سلسلے میں مشہور عام روایت پر مختلف عقلی شبہات عائد کر کے اسے بے بنیاد، لغو اور غلط قرار دیا ہے ذیل میں انھیں شبہات کا جائزہ لیا جائے گا:

(۱) پہلا شبہ یہ ہے کہ "روایت میں ہے کہ قریش کے سردار عبدالمطلب خدا کے گھر کی حفاظت کے لئے مقابلہ آرائی کے بجائے پہاڑوں میں جا چھپے حالانکہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جو بغیر مدافعت کے اپنا معبد دشمنوں کے حوالے کر کے پہاڑوں میں جا چھپے۔"

(۲) دوسرا شبہ یہ ہے کہ "روایت میں ہے کہ عبدالمطلب ابرہہ سے ملنے گئے تو وہ بڑے اخلاق سے پیش آیا۔ اس سے پوری امید بندھتی ہے کہ اگر وہ اس سے خانہ کعبہ کے بارے میں کوئی خواہش کرتے تو وہ اس کو آسانی سے رد نہ کرتا۔ ایسی حالت میں یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ چند اونٹوں کے لئے تو اس سے درخواست کرتے اور اصل معاملہ کو بالکل ٹال جاتے۔"

روایت کا مطالعہ کرنے سے یہ دونوں شبہے بے بنیاد ثابت ہوتے ہیں۔ ابن اسحاق ہی کے

---

[۳۱] مولانا شبلی نعمانی سیرت النبیؐ اول ص ۲۳-۲۴ دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۸۳ء

روایت میں یہ بھی ہے کہ "بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابرہہ سے ملنے عبدالمطلب کے ساتھ بنو بکر کے سردار یعمر بن نفاثہ اور ہذیل کے سردار خویلد بن واثلہ بھی گئے تھے۔ انھوں نے ابرہہ سے کہا کہ وہ تہامہ کا ایک تہائی مال لے لے اور خانہ کعبہ کو ڈھانے کا ارادہ ترک کر کے واپس چلا جائے۔ لیکن اس نے انکار کیا۔" [۱۴]

خود ابن اسحاق نے اپنی سیرت [۱۵] میں عبدالمطلب کے جو اشعار نقل کئے ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب نے ابرہہ کو اس کے ارادے سے باز رکھنے اور واپس کرنے کی کوشش کی تھی

منعت ابرهة الارض التی حمیت ـــ من اللئام فلم تخلق لهم دارا
منعت مکة منهم إنی رجل ـــ ذو أسرة لم یکن فی الحب غدارا
إذ قلت یا صاحب الحبشان إن لنا ـــ من دون أن یهدم المعمور اخطارا
فصار فی حبشه بالفیل مقتدرا ـــ وسرت مستبسلا للموت صابرا
فی فتیة من قریش لیس میتهم ـــ بمورث حیهم شینا ولا عارا [۱۶]

(تو نے ابرہہ کو اس زمین سے روک دیا جو ایسے کمینوں کی دست برد سے محفوظ ہے جن کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ تو نے ان حملہ آوروں سے اہل مکہ کی حفاظت فرمائی بے شک میں صاحب قبیلہ ہوں اور محبت میں غداری و بدعہدی کرنے والا نہیں ہوں۔ جب میں نے اس سے کہا اے حبشیوں کے سردار! اگر خانہ کعبہ منہدم ہو جائے تو ہمارے لئے اس میں خطرات ہیں وہ اپنے لشکر میں ہاتھی کے ساتھ صاحب اقتدار تھا اور میں صبر کے ساتھ مرنے کے لئے تیار ہو گیا میرے ساتھ قریش کے ایسے نوجوان تھے جو جان کی قربانی دے کر زندہ رہنے والوں کے لئے ذلت اور عار نہیں چھوڑتے)

ان اشعار سے نہ صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالمطلب نے ابرہہ کو باز رکھنے کی کوشش کی تھی بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے انکار کر دینے پر مقابلہ آرائی کے لئے بھی تیار ہو گئے تھے لیکن نتائج ان کے سامنے تھے۔ ابرہہ کے لشکر جرار سے مقابلہ ناممکن تھا۔ راستے میں جن قبائل نے مقابلہ کی کوشش کی تھی وہ ہزیمت کھا کر قتل اور قید کر دیئے گئے تھے اس لئے اہل مکہ کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ ابرہہ کے لشکر کا

---

[۱۴] ابن ہشام اوّل ص ۵۲۔ [۱۵] ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے سیرت ابن اسحاق تحقیق کر کے شائع کی ہے اس کا اردو ترجمہ نقوش رسول نمبر گیارہویں جلد میں شامل ہے۔ [۱۶] نقوش رسول نمبر جلد ۱۱ ص ۵۹۔

مقابلہ کرنا ان کے بس میں نہیں۔ سیرت ابن ہشام میں ہے:

"فهمت قريش وكنانة وهذيل ومن كان بذالك الحرم من سائر الناس لقتاله ثم عرفوا أنهم لا طاقة لهم به فتركوا ذلك" [۱۷]

(قریش، کنانہ، ہذیل اور جو لوگ اس وقت حرم میں موجود تھے انھوں نے ابرہہ سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا پھر انھیں اندازہ ہو گیا کہ ان میں اس سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے اس لئے جنگ کا ارادہ ترک کر دیا۔)

اس صورت میں صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخش کر لشکر ابرہہ کو تباہ و برباد کر دیا۔

(۳) تیسرا شبہ یہ ہے کہ اہل سیر کے بیان کے مطابق ابرہہ کے حملے کے پہلے دن سے قبائل عرب اس کی فوج پر تاخت کرتے رہتے تھے۔ ذوالرمہ کہتا ہے:

وابرهة اصطادت صدور رماحنا   جهارا وعثنون العجاجة أكدر

تنحى له عمرو فشك ضلوعه   بنافذة عجلاء والخيل تضبر

(ہمارے نیزوں نے علانیہ ابرہہ کا شکار کیا اور فضا میں کثیف غبار کا ستون قائم تھا۔ عمرو نے اس کی طرف لپک کر نیزے کے کاری زخم سے اس کی پسلیاں توڑ دیں اور شہسوار ثابت قدم رہے)

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش اس قدر مرعوب ہو جائیں کہ بالکل مقابلہ نہ کریں۔

مولانا فراہی نے ان اشعار کی تشریح میں لکھا ہے کہ "ان شعروں میں صاف تصریح ہے کہ ذوالرمہ کی قوم کے ایک آدمی نے ابرہہ کو نیزہ مارا اور یہ واقعہ جس دن پیش آیا کثیف غبار آسمان تک بلند تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیج کر ان پر سنگریزوں کی بارش کی۔" [۱۸]

اس تشریح میں مولانا سے تسامح ہو گیا ہے۔ مولانا کے نزدیک یہ واقعہ جس دن پیش آیا اسی دن اللہ تعالیٰ نے سنگباری کے ذریعے لشکر ابرہہ کو ہلاک کیا حالانکہ صحیح یہ ہے کہ شاعر نے ان اشعار میں لشکر ابرہہ سے پہلے ہونے والی جھڑپوں میں سے کسی جھڑپ کا تذکرہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ شاعر ہمارے کا

---

[۱۷] ابن ہشام اوّل ص ۵ ۔ [۱۸] تفسیر سورۂ فیل ص ۸۴

رہنے والا ہے، دوسرے یہ کہ خود ان کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ اہل مکہ نے لشکرِ ابرہہ سے نیزوں کے ذریعے آمنے سامنے مقابلہ کرنے کے بجائے پہاڑوں پر جاکر مقابلہ کیا تھا۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے:

"اس میں شبہ نہیں کہ اس موقع پر قریش پہاڑوں میں چلے گئے تھے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ مدافعت سے کلیۃً دست بردار ہو کر پہاڑوں میں جا چھپے تھے بلکہ ابرہہ کی عظیم فوج کے مقابل میں مدافعت کی واحد ممکن شکل جو وہ اختیار کر سکتے تھے یہی تھی اس وجہ سے انھوں نے یہی اختیار کی ...... ابرہہ کا لشکر ساٹھ ہزار تھا اور اس کے ساتھ ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی تھا۔ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ میدان میں نکل کر اور صف بندی کر کے تلواروں کے ذریعہ سے کرنا قریش کے لئے ممکن نہ تھا۔ وہ اگر اپنا پورا زور واثر استعمال کرتے تو بھی شاید دس بیس ہزار سے زیادہ آدمی اکٹھے نہ کر پاتے اس وجہ سے انھوں نے اپنے لئے بہترین جنگی پالیسی یہی خیال کی کہ میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے کے بجائے پہاڑوں میں محفوظ ہو جائیں اور وہاں سے گوریلوں کے طریقے پر جس حد تک ان کے اقدام میں مزاحمت پیدا کر سکتے ہوں کریں۔" [19]

قریش کے مقابلہ نہ کرنے کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہونے والی جھڑپوں کے نتائج سے وہ واقف تھے انھیں سوائے اللہ کی غیبی مدد کے کسی سہارے کی امید نہیں تھی اس لئے مقابلہ کی تیاریوں کے بجائے وہ اللہ تعالیٰ سے دعا و مناجات اور تضرع و ابتہال کرتے ہوئے پہاڑیوں میں چلے گئے۔

(۴) مولانا فراہی نے لکھا ہے کہ " علمائے سیر کے بیان کے مطابق ابرہہ کا حملہ موسم حج میں ہوا تھا " اور دلیل میں عکرمہ بن ہاشم کا یہ شعر نقل کیا ہے:

لا هم اخز الاسود بن مقصود　　　　الآخذ الهجمة فيها التقليد

(خداوندا! اسود بن مقصود کو رسوا کر جو قربانی کے اونٹوں کو جن کی گردنوں میں قلادے تھے، ہنکالے گیا)

جہاں تک علمائے سیر کا تعلق ہے ان کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں کہ انھوں نے ابرہہ کے حملے کا وقت موسم حج بتلایا ہے۔ تلاش بسیار کے باوجود ہمیں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملی جس سے موسم حج میں ابرہہ کے حملے کا اشارہ ملتا ہو۔ اس کا اعتراف نسیم اصلاحی صاحب نے بھی کیا ہے [20] تاریخ و سیر کی متداول کتابوں

---

[19] تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی ہشتم ص ۵۶۱ - ۵۶۲ - [20] تحقیقات اسلامی ص ۶۲ - ۶۴

میں جب ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس سے موسم حج میں حملۂ ابرہہ کا پتہ چلتا ہو تو محض خوش گمانی علمی تحقیقات میں کارگر ثابت نہیں ہوسکتی۔ واقعۂ فیل کے زمانے کے بارے میں بہت سے مختلف اقوال ملتے ہیں لیکن مشہور قول یہ ہے کہ اسی سال حضور کی ولادت ہوئی۔ مشہور قول کے مطابق حضور کی ولادت کے پچاس[۵۰] دن قبل یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ نسیم اصلاحی صاحب کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ جن روایتوں میں واقعہ فیل کا زمانہ محرم بتایا گیا ہے ان کا مأخذ صرف محمد بن اسحاق کی بیان کردہ روایت ہے اس لئے کہ ان کے علاوہ بھی دوسرے راویوں کی تصریحات ملتی ہیں۔ چنانچہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ابوجعفر باقر سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ محرم کا ہے اور اگر ان روایتوں کا مأخذ صرف محمد بن اسحٰق ہی ہوتے تو بھی اسے ناقابل اعتبار نہیں قرار دیا جاسکتا اس لئے کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ تاریخ و سیر میں تمام علماء کے نزدیک محمد بن اسحاق معتبر ہیں۔

نسیم اصلاحی صاحب نے ایک انوکھا استدلال ابن اسحاق کی روایت "وھمّت قریش وکنانۃ ومن کان معھم بالحرم من سائر الناس" میں "من سائر الناس" کے الفاظ سے یہ کیا ہے کہ "جب حج ختم ہوچکا تھا تو حرم میں پھر کون لوگ رہ گئے تھے، ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حجاج ہی تھے"۔[۵۱] لیکن یہ انتہائی مہمل اعتراض ہے۔ ظاہر ہے کہ حرم کبھی لوگوں سے خالی نہیں ہوتا ہمہ وقت لوگ طواف و عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ محض "من سائر الناس" کے الفاظ سے یہ استدلال کہ یہ حج کا زمانہ تھا مضحکہ خیز ہے۔ مزید حیرت یہ دیکھ کر ہوتی ہے کہ ایک طرف نسیم صاحب اس روایت کو ابن اسحاق کی قرار دے کر ناقابل استناد قرار دیتے ہیں دوسری جانب خود اس سے استدلال کرتے ہیں اور اس سے آگے کی عبارت ثم عرفوا انھم لاطاقۃ لھم بہ فترکوا ذٰلک چونکہ ان کے خلاف پڑتی ہے اس لئے اسے نظر انداز کر جاتے ہیں۔

مولانا فراہی کا استدلال صرف عکرمہ کے مذکورہ شعر سے ہے جبکہ اس شعر سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے اسود بن مقصود، جو اونٹ ہنکا لے گیا تھا ان کے گلوں میں قلادے تھے۔ قلادہ صرف اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ اونٹ کو قربانی کے لئے خاص کر دیا گیا ہے۔ ضروری نہیں کہ تمام اونٹوں کو ایک ہی سال قربان کر دیا جائے۔

---

۵۱ ایضاً ص ۶۴

تاریخ طبری میں ہمیں ابن عباس سے مروی ایک روایت ملتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "ابرہہ نے جب عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیئے تو انھوں نے ان کی گردنوں میں جوتوں کے قلادے پہنا کر اور ان کا شعار کر کے ہدی بنا دیا اور حرم میں منتشر کر دیا تا کہ انھیں کوئی گزند پہنچے تو رب حرم کا غضب بھڑک اٹھے" فأمر برد ابله عليه، فلما قبضها قلّدها النعال، واشعرها وجعلها هديا، وبثّها فى الحرم المكى لكى يصاب منها شئ فيغضب رب الحرم "[۲۲]

ممکن ہے شاعر نے اسی بات کو اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہو۔

(۵) مولانا نے لکھا ہے کہ عرب شعراء نے قبیلۂ ثقیف کی ہجو کی ہے کیونکہ انھوں نے کعبہ کی حمایت کے وقت بزدلی دکھائی۔ اہل عرب ابو رغال ثقفی کی قبر پر سنگساری کرتے رہے کیونکہ اس نے ابرہہ کی فوج کو راستہ بتایا تھا۔ اگر ثقیف کی طرح عرب بھی بھاگ گئے تھے تو ثقیف ہی کا کیا قصور تھا کہ ان کی ہجو کی گئی۔

لیکن دونوں صورتوں میں مبیّن فرق ہے۔ قبیلۂ ثقیف کو جب ابرہہ کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے بت کدے کو بچانے کے لئے اس کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ لات کا یہ بتکدہ وہ نہیں جسے ڈھانے کے لئے آپ آئے ہیں بلکہ وہ مکہ میں ہے۔ انھوں نے صرف راستہ بتانے پر اکتفا نہ کیا بلکہ ابو رغال نامی ایک شخص کو ان کی رہنمائی کے لئے ساتھ کر دیا۔ اسکے برخلاف اہل مکہ نے ابرہہ کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا اسے اس کے ارادے سے باز رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی جب وہ نہ مانا تو چونکہ وہ اس کے دفاع کی طاقت نہ رکھتے تھے اس لئے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔

(۶) مولانا فراہی نے کید کی یہ تشریح کی ہے:

"قرآن مجید میں تصریح ہے کہ اصحاب الفیل نے ایک مخفی چال چلی تھی لیکن روایات میں اس کے حملے کے جو وجوہ بیان کئے گئے ہیں ان میں مخفی چال کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ وہ اس کے برعکس قوت نمائش اور عربوں کی تذلیل کی ایک نہایت کھلی ہوئی کارروائی ہے۔ البتہ قابلِ اعتماد روایات

---

[۲۲] تاریخ الامم والملوک طبری جلد ۲ ص ۱۱۴۔

سے استنباط کرنے کے بعد کید (مخفی چال) کے چند پہلو سامنے آتے ہیں مثلاً:

۱۔ اس نے احترام کے مہینوں میں حملہ کیا کیونکہ اس کو خیال تھا کہ عرب ان مہینوں میں جنگ و خونریزی سے احتراز کرتے ہیں۔

۲۔ اس نے مکّہ میں ایسے وقت میں داخل ہونا چاہا جب تمام اہل مکّہ دوسرے عربوں کے ساتھ حج کے مراسم ادا کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔

۳۔ اس نے خاص طور پر قیام منیٰ کے دنوں میں حملہ کرنا چاہا کہ عرب یا تو منیٰ میں قربانی میں مصروف ہوں گے یا سفر کے تھکے ہارے گھروں کو واپس آرہے ہوں گے۔[۲۳]

کید کا ترجمہ "مخفی چال" کرنا محل نظر ہے۔ لغت میں اس کے ایک معنی مطلق تدبیر کے بھی بیان کئے گئے ہیں۔ لسان العرب میں ہے "الکید التدبیر بباطل أو حق"[۲۴] قرآن میں بھی کید کا استعمال خفیہ چال کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ کبھی مطلق تدبیر کے معنی میں آتا ہے جیسے درج ذیل آیت میں؛

من کان یظن أن لن ینصره اللہ فی الدنیا والاخرۃ فلیمدد بسبب الی السماء ثم لیقطع فلینظر ھل یذھبن کیدہ مایغیظ۔ (الحج۔۱۵)

(جو شخص گمان رکھتا ہو کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی کوئی مدد نہ کرے گا اسے چاہئے کہ ایک رسی کے ذریعے آسمان تک پہنچ کر شگاف لگائے پھر دیکھ لے کہ آیا اس کی تدبیر کسی ایسی چیز کو رد کرسکتی ہے جو اسکو ناگوار ہے)

اور کبھی بری تدبیر کے معنی میں آتا ہے خواہ علانیہ ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کے خلاف ان کی قوم کی سازشیں ڈھکی چھپی نہ تھیں۔ انھوں نے علانیہ معبودوں کی دہائی دے کر حضرت ابراہیمؑ کو آگ کے الاؤ میں جھونک دینے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن قرآن نے اس کے لئے بھی کید کا لفظ استعمال کیا:

قالوا ابنوا لہ بنیانا فالقوہ فی الجحیم فأرادوا بہ کیدا فجعلناھم الأسفلین۔ (الصّافّات۔ ۹۷، ۹۸)

قالوا حرّقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فعلین، قلنا یانار کونی بردا وسلاما علی ابراھیم، وارادوا بہ کیدا فجعلناھم الاخسرین۔ (الانبیاء۔ ۶۸۔ ۷۰)

---

[۲۳] تفسیر سورۂ فیل ص ۵۱۔ [۲۴] لسان العرب ۴/۳۸۹ مادہ "کید"۔

اور اگر "کید" کے معنی خفیہ چال کے مان بھی لیں تب بھی مولانا فراہی کی مذکورہ تشریح صحیح نہیں ہوسکتی اس لئے کہ اوپر گزرا کہ ابرہہ کا حملہ موسم حج میں نہیں بلکہ محرم کے مہینے میں ہوا تھا۔ ابن اسحاق کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابرہہ نے "قلیّس" نامی گرجا گھر تیار کرایا تھا اور چاہتا تھا کہ لوگ خانہ کعبہ کا حج کرنے کے بجائے اس گرجا کا حج کریں۔ اس اثناء میں کسی عرب نے گرجا کو گندا کر دیا یا ممکن ہے خود اس نے سازش کر کے گندا کروا دیا ہو اور عربوں کی جانب منسوب کر دیا ہو، بہرحال اس طرح اس نے ظاہر میں خانہ کعبہ کو ڈھانے کا ایک بہانہ تلاش کر لیا ورنہ وہ دل میں بہر صورت اسے ڈھانے کا عزم رکھتا تھا۔ فخر الرازی نے بھی کید کی یہی تشریح کی ہے[۲۵] جو اطمینان بخش ہے۔

کلام عرب سے استشہاد

(۱) مولانا فراہی نے دسویں فصل کا عنوان یہ قائم کیا ہے "کلام عرب کی شہادت کہ سنگباری آسمان اور ہوا سے ہوئی" اور اس میں سات آٹھ شعراء کے اشعار نقل کئے ہیں لیکن تعجب ہوتا ہے کہ بیشتر اشعار میں سنگباری کا کوئی تذکرہ نہیں۔ جن اشعار سے کسی نہ کسی صورت میں استدلال کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہیں:

فأرسل من ربّهم حاصب　　　　یلفّهم مثل لفّ القزم (ابوقیس)

فلما أجازوا بطن نعمان ردّهم　　　　جنود الإله بین ساف وحاصب (ابوقیس)

حمدت الله إذ عاینت طیراً　　　　وحصب حجارة تلقی علینا (نفیل خثعمی)

پہلے دو اشعار میں "حاصب" اور "ساف" کے الفاظ ہیں۔ ان سے انھوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ "عربی میں حاصب اس تند ہوا کو کہتے ہیں جو کنکریاں اور سنگ ریزے لاکر پاٹ دیتی ہے اور سافی اس ہوا کو کہتے ہیں جو گرد و غبار، خس و خاشاک اور درختوں کی پتیاں اڑاتی ہوئی چلتی ہے۔"

دوسرے شعر کا ترجمہ مترجم مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے یہ کیا ہے: "جوں ہی وہ بطن نعمان سے آگے بڑھے خدا کی فوجوں نے ساف اور حاصب کی شکل میں نمودار ہو کر ان کو پسپا کر دیا۔"[۲۶] یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ خود انھوں نے اپنی تفسیر "تدبر قرآن" اس شعر کا جو ترجمہ کیا ہے وہ زیادہ صحیح

---

[۲۵] تفسیر کبیر رازی ۳۲/۹۹ دار احیاء التراث العربی

[۲۶] تفسیر سورۂ فیل ص ۶۴

ہے: "جوں ہی وہ بطن نعمان سے آگے بڑھے خدا کی فوجوں نے ساف اور حاصب کے درمیان نمودار ہو کر انھیں پسپا کر دیا۔" ؎۲۷

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی فوج جس نے لشکرِ ابرہہ کو پسپا کیا وہ ساف اور حاصب کے علاوہ کچھ اور ہے۔ ان فوجوں نے لشکر کو اس حال میں پسپا کیا جب تیز و تند ہوا بھی چل رہی تھی۔ وہ خدائی فوج کیا تھی، روایتوں سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

تیسرا شعر مختلف کتابوں میں کچھ الفاظ کے اختلاف سے مذکور ہے جیسے سیرت ابن ہشام میں ہے:

حَمدت اللہ إذ ابصرت طیراً　　　وخِفتُ حجارۃ تلقی علینا

(میں نے اللہ کا شکر ادا کیا جب پرندوں کو دیکھا، اور میں ڈر رہا تھا کہ کہیں پتھر ہمارے اوپر نہ آپڑیں)

سیرت ابن اسحٰق میں ہے:

خشیت اللہ لما رأیت طیرا　　　وقذف حجارۃ ترمی علینا

(میں اللہ سے ڈرا جب میں نے پرندوں کو دیکھا، اس وقت ہمارے اوپر پتھر پھینکے جا رہے تھے)

تمام اشعار نقل کرنے کے بعد مولانا فراہی نے لکھا ہے: "ان اشعار کو غور سے پڑھو۔ یہ لوگ جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں چڑیوں اور پتھروں کا ذکر ساتھ ساتھ کرتے ہیں لیکن یہ نہیں کہتے کہ یہ پتھر چڑیوں نے پھینکے بلکہ اس سنگباری کو حاصب اور ساف کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔" ؎۲۸

پہلے دو شعروں میں وضاحت گزری کہ شاعر نے لشکر کو پسپا کرنے کی نسبت ساف اور حاصب کی طرف نہیں بلکہ "جنود الالہ" کی طرف کی ہے۔ تیسرے شعر میں شاعر چڑیوں اور سنگباری کا ایک ساتھ ذکر کرتا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ چڑیاں ہی سنگباری کر رہی تھیں شعر کا جو انداز ہے وہ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے۔ مولانا فراہی نے خود لکھا ہے کہ: "شعراء کا عام انداز کلام اجمال اور کنایہ کا ہوتا ہے۔ وہ زیادہ تصریح و تفصیل نہیں کیا کرتے۔" شاعر کہتا ہے کہ میں نے چڑیوں کو دیکھا تو اللہ کا شکر ادا کیا اور اس وقت مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں پتھر ہمارے اوپر بھی نہ آگریں۔ چڑیوں کو دیکھتے ہی اللہ کا شکر ادا کرنے اور اپنے اوپر پتھر گرنے کا خوف کرنے کا کیا مطلب ہوگا؟

؎۲۷ تدبر قرآن ہشتم ص ۵۶۰ ۔ ؎۲۸ تفسیر سورۂ فیل ص ٦٦

اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ شاعر نے چڑیوں کو سنگ باری کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

ایسا بھی نہیں کہ کسی شاعر نے بصراحت چڑیوں کے پتھر پھینکنے کا تذکرہ نہ کیا ہو۔ ابن ہشام نے عبداللہ بن قیس الرقیات کے جو اشعار نقل کئے ہیں ان میں بصراحت چڑیوں کی سنگباری کا تذکرہ ہے:

کاده الأشرم الذی جاء بالفیل   فولیّ وجیشه مهزوم

واستهلت علیهم الطیر بالجندل حتی کانه مرجوم

ذاك من یغزه من الناس یرجع   وهو فل من الجیوش ذمیم [۲۹]

(اس کے خلاف اشرم نے سازش کی جو ہاتھی لے کر آیا مگر اسے پیٹھ پھیر کر بھاگنا پڑا اور اس کا لشکر شکست کھا کر رہا اور اس پر چڑیاں کنکر پتھر لے کر چھا گئیں یہاں تک کہ وہ سنگسار کئے ہوئے شخص کی طرح ہو گیا۔ یہی حشر ہر اس شخص کا ہوگا جو اس سے آمادۂ جنگ ہوگا کہ وہ شکست خوردہ اور ملامت زدہ ہو کر واپس لوٹے گا۔)

یہ اشعار سیرت ابن ہشام میں موجود ہیں جو مولانا فراہی کی نظر سے ضرور گزرے ہوں گے لیکن معلوم نہیں کیوں مولانا نے انھیں لائق اعتناء نہیں سمجھا۔

اسی فصل میں آگے مولانا فراہی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چڑیاں لاشیں کھانے کیلئے آئی تھیں۔ لکھتے ہیں: "شعراء کا عام انداز کلام اجمال وکنایہ کا ہوتا ہے۔ وہ زیادہ تصریح وتفصیل نہیں کیا کرتے بعض نے مجملاً چڑیوں کے دیکھنے کا ذکر کر دیا ہے اور اس قدر بس تھا کیوں کہ قتل گاہوں اور جنگ کے میدانوں میں گوشت خور چڑیوں کا جمع ہونا عربوں میں ایک معلوم ومشہور بات تھی۔ وہ فوج کے ساتھ چڑیوں کے جھنڈ دیکھ کر فیصلہ کر لیتے تھے کہ لڑائی ضرور ہوگی۔ اصحاب رجیع کے قتل کی پیشن گوئی عمرو بن امیہ نے اسی دلیل سے کی تھی۔ بعض شعراء فوجوں کے ذکر کے ساتھ چڑیوں کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ چڑیوں کو اندازہ ہو گیا ہے کہ میدانِ جنگ میں بے شمار لاشیں ملیں گی اس وجہ سے وہ بھی ساتھ ہولی ہیں۔ مشہور شاعر نابغہ، عمرو بن حارث غسانی اور اس کی قوم کا ذکر کرتا ہے:

إذا ما غزوا بالجیش حلق فوقهم   عصائب طیر تهتدی بعصائب

---

[۲۹] ابن هشام اوّل ص ۶۲

جوانح قد ایقن أن قبیلہ   اذا ما التقی الجمعان أول غالب

(جب وہ فوج لے کر حملہ کرتے ہیں تو چڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ اُن کے اوپر منڈلاتے ہیں۔ وہ گرا چاہتی ہیں کیونکہ ان کو یقین ہے کہ جب دو جماعتوں میں مڈبھیڑ ہوتی ہے تو انہی کا قبیلہ غالب رہتا ہے)۔ اسی مضمون کو ابونواس نے لیا ہے:

تتأیّ الطیر غدوته   ثقة بالشبع من جزره

(جب میرا ممدوح جنگ کے لئے نکلتا ہے تو چڑیوں کے جھنڈ اس کے پیچھے اس یقین کے ساتھ چلتے ہیں کہ اسکے شکار سے اپنا پیٹ خوب بھریں گے) ۳۰؎

مولانا سید سلیمان ندوی نے مولانا فراہی کے اس استدلال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"۳۶ھ میں بصرہ میں جنگ جمل واقع ہوئی تھی۔ حجاز میں اس لڑائی کا حال اسی دن معلوم ہوگیا تھا کیونکہ غول درغول پرندے کٹے ہوئے اعضا چنگلوں اور چونچوں میں لئے ہوئے ادھر اُدھر اڑ رہے تھے۔" ۳۱؎

مذکورہ اشعار میں شاعرانہ مبالغہ آرائی ظاہر ہے۔ شاعر اپنے ممدوح کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب وہ لشکر لیکر جنگ کیلئے چلتا ہے تو پرندوں کے جھنڈ اس یقین کے ساتھ اسکے ساتھ ہو لیتے ہیں کہ وہ کامیاب ہوگا تو اسکے شکار سے اپنا پیٹ بھرینگے۔ پرندوں کا لشکر کی کامیابی کا یقین کر لینا حقیقت واقعہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ اس مبالغہ آرائی کو حقیقت واقعہ سمجھ کر استدلال صحیح نہیں ہوسکتا۔

واقعۂ فیل سے قبل بھی ایام جاہلیت میں بہت سی جنگیں ہوچکی تھیں جیسے جنگ بسوس، جنگ داحس وغبراء اور جنگ بعاث وغیرہ جن میں ہزاروں جانیں ضائع ہوچکی تھیں۔ اس کے بعد بھی بے شمار جنگیں ہوئیں اور تاریخ میں ان جنگوں کی جزئیات تک محفوظ ہیں لیکن کسی جنگ کے بارے میں یہ نہیں ملتا کہ لوگوں نے اس موقع پر آنے والے مردار خور پرندوں کا تذکرہ کیا ہو اور ان کی شکل وصورت، رنگ اور قد وغیرہ کا اتنی باریکی سے تذکرہ کیا ہو۔ اگر جنگ کے موقع پر چڑیوں کا آنا ایک معمول تھا اور واقعتہً تھا تو اسے اتنی اہمیت دینے اور ان کی شکل وصورت، رنگ، چونچ کی ہیئت اور قد وغیرہ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ روایتوں کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ فیل کے موقع پر ضرور کوئی غیر معمولی اور خلاف معمول بات پیش آئی تھی اسی لئے راویوں نے اہمیت دے کر چڑیوں کا تذکرہ کیا۔

(باقی آئندہ)

۳۰؎ تفسیر سورۂ فیل ص ۶۸-۶۹۔ ۳۱؎ ارض القرآن سید سلیمان ندوی اوّل ص ۳۱۵ بحوالہ تاریخ طبری ذکر واقعۂ جمل

بقیہ: "ہدایت القرآن"

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؗ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○

"کیا تم کتاب کے بعض حصے پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔ جو ایسا کرتے ہیں ان کی سزا بس یہی ہے کہ دنیوی زندگی میں ذلت و رسوائی ہو اور قیامت کے دن انہیں سخت عذاب میں پہنچایا جائے[۹] اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی آخرت دے کر خریدی ہے[۱۰]۔ نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔"

۹؎ جو اپنوں کی گردن کاٹتے، ان کو وطن سے نکالتے یا اس میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں تو دنیا میں ذلت و رسوائی ان کی قسمت بن جاتی ہے۔ لاکھ وہ آنسو پونچھنے کے لئے اپنوں کی کچھ مدد بھی کر دیا کریں۔ اپنوں کے ساتھ اس غداری اور اللہ کی نافرمانی کی سزا صرف دنیا ہی میں نہ ملے گی بلکہ آخرت میں بھی سخت سزا ہوگی۔ (ہر قوم کے لئے اس میں بڑی عبرت ہے۔)

۱۰؎ اللہ کے دین نے قومی و جماعتی زندگی کی کامیابی کے لئے جو حکم و احکام دیئے ہیں وہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی کے لئے ہیں لیکن اس پر عمل درآمد کی جب یہ صورت بن جائے کہ دین کے بعض حصے پر ایمان اور بعض سے انکار کی بات صادق آنے لگے تو پھر دونوں میں اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ دنیا میں ذلت و رسوائی تو اس لئے کہ جس قدر اس کے پاس دین ہے وہ اس قدر ناقص اور کم ہے کہ کسی قوم و جماعت کو بھی ذلت و رسوائی سے بچانے کے لئے کافی نہیں ہے اور آخرت میں سزا اس لئے کہ اس نے آخرت کو دنیا کے بدلے بیچ دیا ہے۔ یعنی دین کے کام دنیوی غرض اور فائدہ کیلئے کئے ہیں اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دی ہے۔ جس سے حکم و احکام نے اپنی جگہ چھوڑ دی اپنے اثرات کھو دیئے پھر یہ تبدیلی اللہ کی ناراضگی کا سبب بنی۔

(جاری ہے)